''گیتا نجلی'' میں روحانیت کا عنصر (اردو تراجم کے حوالے سے)

Element of spirituality in “Gitanjali“ (Reference to Urdu translation)

رانی بیگم [1]

Abstract:

Rabindranath Tagore was a Bengali poet who belonged to Hindu religion, had a book based on spiritual songs published by London Society, titled Song Offerings (Geetanjali). Tagore's emotionality, simplicity and deep spirituality deeply impressed the Europeans who were tired of materialism. Tagore was awarded the highest Nobel Prize of Literature due to this book which has been the first prize given to an eastern personality. The main attraction of Geetanjali is spirituality due to which it got fame worldwide and has been translated in many languages of the world.

Keywords: London Society, Song Offerings, emotionality, spirituality, materialism, Nobel Prize

ہندو مذہب سے تعلق والے بنگالی زبان کے شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کے روحانی گیتوں پر مشتمل کتاب ۱۹۱۲ میں جب لندن سوسائٹی سے '' Offerings Song'' (گیتوں کا خراج) کے نام سے شائع ہوئی تو ٹیگور کی جذباتیت، سادگی اور گہری روحانیت نے مادیت سے اکتائے ہوئے اہل یورپ کو بے حد متاثر کیا. اس کتاب کی بنا پر ۱۹۱۳ میں ٹیگور کو ادب کا سب سے بڑا انعام نوبل پرائز دیا گیا جو اس وقت کسی بھی مشرقی شخصیت کو ملنے والا پہلا انعام تھا . گیتانجلی کی نمایاں خصوصیت روحانیت ہے جس کی بنا پر یہ پوری دنیا میں مقبول ہے اور دنیا کی بہت سی زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے ہیں۔

کلیدی الفاظ: لندن سوسائٹی، گیتوں کا خراج، جذباتیت، روحانیت، مادیت، نوبل انعام یافتہ

روحانیت اور تصوف کا تصور تقریباً تمام مذاہب میں ملتا ہے۔ اس سے مراد اپنی ظاہری اور باطنی اصل شخصیت کو جاننا، اپنی ذات کی معرفت سے اپنے خالق کی معرفت حاصل کرنا اور اس علم و آگاہی کی بنیاد پر اپنی شخصیت کا تزکیہ اور تعمیر کرنا ہے۔

مذہبی نقطۂ نظر سے روحانیت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان عبادت و ریاضت کے ذریعے اُس روحانی منزل پر پہنچ جائے جہاں اُس کے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن بھی معرفت کے نور سے منور ہو جائے اور اس کے اور خالق کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ رہے۔ یعنی اپنی روح کی حقیقت سے آشنا ہو کر خالق حقیقی سے صرف ظاہری نہیں بلکہ باطنی حقیقی رابطہ قائم کرنا روحانیت ہے۔

[1] استاد، شعبہ اردو، ویمن یونی ورسٹی، مردان

ISSN:2708-5724, E-ISSN:2708-5732

جہاں تک رابندر ناتھ ٹیگور کا تعلق ہے تو ان کے افکار و خیالات کی بنیاد بھی خالصتاً روحانیت پر ہے۔ ٹیگور کی روحانیت پر بات کرنے سے پہلے ان محرکات اور عوامل کا جاننا ضروری ہے جو ان کی شاعری میں روحانیت کا سبب بنے۔اس سلسلے میں شمیم طارق کا یہ بیان خاص اہمیت کا حامل ہے:

> ''ٹیگور، حافظ کی غزلیں اور ان کے ترجمے اپنے والد کی زبان سے سنتے تھے جو ان کے دل و دماغ پر ہمیشہ کے لیے نقش ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام پر حافظ کا خاصا اثر ہے۔ ٹیگور جب ایران کے سفر کے دوران حافظ کے مقبرے پر حاضر ہوئے تو انہوں نے خود اس کا اعتراف کیا کہ ہم دونوں ایک ہی میکدہ کے میخوار ہیں اور ہم نے گوناگوں شراب (معرفت) سے اپنے اپنے جام بھرے ہیں اور ہم دونوں روزِ ازل سے ایک دوسرے سے آشنا ہیں۔''[۱]

اس ضمن میں دوسرے عوامل کے ساتھ ساتھ بنگلہ ادب کے پندرھویں صدی سے سترھویں صدی کے اس رجحان کو سمجھنا بھی ضروری ہے جس میں ''رادھا کرشن'' کے موضوع پر مشتمل شاعری کو خاصا عروج حاصل ہوا۔اس رجحان کو ''وشنویت'' کہا جاتا ہے اور اس کے تحت تخلیق ہونے والی شاعری کی جڑیں عشقِ الٰہی میں پیوست ہوتی ہیں۔ بنگال میں '' وشنویت'' کے رجحان کو عروج ایک روحانی پیشوا ''سری چیتنیہ '' (۱۴۸۶ء۔۱۵۳۳ء) نے بخشا۔ان کی گہری روحانیت کی وجہ سے ہندوستان میں اس رجحان نے ایک تحریک کی شکل اختیار کی۔ان کا بنیادی نکتہ یہی تھا کہ نجات کا واحد ذریعہ ذکرِ خداوندی ہے اور اس کے عشق کی شدت سے گائے ہوئے نغمے انسان پر سرمستی کی کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔ صوفیوں کی اصطلاح میں اسے وجد، جذب و حال اور سماع کے حوالے سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے جس میں ایک صوفی دنیا سے کٹ کر اپنے خالق کے ذکر اور عبادت میں محو و مست رہتا ہے۔

اسلام ''وشنویت'' کو صوفی اِزم یا تصوف کا نام دیتا ہے۔ ''گیتانجلی'' میں رابندر ناتھ ٹیگور اسی سلسلے کی ایک کڑی نظر آتے ہیں۔ یہاں اپنے معبود اور محبوب کے لیے جاں نثاری کے مختلف انداز دیکھنے کو ملتے ہیں۔اس کے علاوہ خالق کے حوالے سے مخلوق کو سمجھنے اور انسانی عظمت و حیثیت کا احساس دلانے کی کوشش بھی کی گئی

ہے۔ یہی سبب ہے کہ روحانیت نہ صرف ان کی ذات کا حصہ تھی بلکہ ان کی شاعری کی سب سے نمایاں اور اہم خصوصیت بھی ہے۔ اپنی نوبل یافتہ کتاب ''گیتا نجلی'' میں ٹیگور نے جن احساسات و جذبات کو الفاظ کے قالب میں ڈھالا ہے ان میں روحانیت کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس خصوصیت کے حوالے سے پروفیسر وہاج الدین علوی لکھتے ہیں:

> ''گیتانجلی کے نغموں میں خدا تک پہنچنے کی آرزو، اس سے شرف ہم کلامی اور ہم آغوشی کی تمنا، التجا، التماس، نارسائی کا شکوہ، غرض کہ عبد و معبود کے بیچ رشتوں کا تسلسل ہے۔ فلسفہ ویدانت، تصوف، سنتوں اور عاشقوں کے نوائے شوق کے حسی پیکر کا نام گیتانجلی ہے۔''[۲]

ٹیگور کا تعلق ہندو مذہب سے تھا۔ دیگر مذاہب کی طرح ہندو مذہب میں بھی روحانیت کا تصور موجود ہے۔ کسی بھی مذہب میں روحانیت کی بنیاد اس مذہب کی مقدس کتابوں کی تعلیمات پر تعمیر ہوتی ہے۔ اگر ہندو مذہب کی مقدس کتابوں کو دیکھا جائے تو ان میں وید (ہندومت کی قدیم الہامی کتب کا مجموعہ) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہندو مذہب کی بنیادیں ویدوں کی تعلیمات پر ہی استوار ہیں۔ ویدوں کو چار حصوں ''سمہتا، برہمن، آرنیکا اور اپنیشد'' میں تقسیم کیا گیا ہے۔ سب سے آخری حصے اپنیشد میں تصوف کی تعلیمات بھری پڑی ہیں۔ اپنیشد ہندو مذہب کی تقریباً دو سو مقدس اور نظری کتب کا مجموعہ ہے۔ وکی پیڈیا کے مطابق:

> ''اپنیشد کسی ایک کتاب کا نہیں بلکہ سلسلہ کتب اور فلسفے کا نام ہے، جو موضوع کے اعتبار سے مابعد الطبیعاتی اور اسلوب کے لحاظ سے شعری ادب کا حسین مرقع ہے۔ اپنیشد کی تعلیمات کا منبع توحید، حق پرستی، اور عرفان ذات ہے۔ یہ ظاہری عبادات، جنتروں، منتروں کی بجائے خود آگاہی، حقیقت اولیٰ کی تلاش، تقویٰ اور مذہبی رسومات پر زور دیتی ہے۔''[۳]

اپنیشدوں کی تعلیمات کو مسلم صوفیاء نے بھی بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اورنگزیب کے بڑے بھائی دارا شکوہ، جو تصوف کی معرکۃ الآرا کتاب ''سیر الاولیا'' کے مصنف تھے، انہوں نے تقریباً پچاس اپنیشدوں کا فارسی زبان میں ''سرّ اکبر'' کے نام سے ترجمہ کیا اور اس کی تعلیمات

کی تشہیر بھی کی۔ اپنیشدوں کی صوفیانہ تعلیمات اخلاقی بلندی کا درس دیتی ہیں۔ ٹیگور اور ان کے والد کی سوانح عمریوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ٹیگور کا مذہب اپنیشدوں کی تعلیم کے سوا کسی اور عقیدہ پر مبنی نہیں۔

اپنیشدوں کی طرح ہندو مذہب میں ''بھگوت گیتا'' کو بھی ایک مقدس کتاب کی حیثیت سے بہت اہمیت حاصل ہے۔ ہندوؤں کے مطابق یہ کتاب ''بھگوان کرشن'' کے ان احکامات پر مبنی ہے جو انہوں نے ارجن کو دیے تھے۔ ہندو مذہب میں پیغمبر کو اوتار کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے خدا کی طرف سے اتارا گیا۔ ہندو اوتاروں کو بھگوان (خدا) سے الگ نہیں سمجھتے بلکہ ان کو خدا کا روپ گردانتے ہیں۔ ہندو مت میں ''کرشن'' وشنو کے آٹھویں اوتار گزرے ہیں۔ بھگوت گیتا کرشن کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ یہ کتاب بھگوان کرشن اور ایک بہادر جنگجو ارجن کے درمیان مکالماتی نظم کی صورت میں ہے اور اس کا پس منظر جنگ کا میدان ہے جو درحقیقت زندگی کا استعارہ ہے۔ اس میں کل اٹھارہ ابواب ہیں جن میں بھگوان کرشن نے ارجن کو حق و باطل کی جو تعلیم دی ہے، اس سے تصوف کے سرچشمے پھوٹتے ہیں۔ اس کتاب کی تعلیمات کے حوالے سے پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اپنی کتاب ''تاریخ تصوف'' میں لکھا ہے:

> ''گیتا میں ویدانتی تصوف (اپنشدوں میں بیان کردہ تصوف) کے تمام اسرار و رموز بالوضاحت بیان کر دیئے گئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ: خدا کو اپنا مقصود بناؤ، اس سے محبت کرو تا کہ اسے حاصل کر سکو، خدا اپنے عاشقوں کے دلوں میں رہتا ہے، جو اسے چاہتا ہے وہ اسے ضرور درشن دیتا ہے، ساری زندگی اس کے لیے بسر کرو، نیک اعمال بجالاؤ مگر نیت یہ ہو کہ خدا مجھ سے خوش ہو، سب انسانوں سے محبت کرو، یہ دنیا خدا کی جلوہ گاہ ہے۔ ہر شے مظہرِ خدا ہے۔ یہی تصوف کی روح اور یہی گیتا کا اپدیش ہے۔''[۴]

''گیتانجلی'' میں ویدانتی فکر (ہندوؤں کا فلسفہ تصوف) کے ساتھ ساتھ وحدت الوجودی (اسلامی مسئلہ تصوف) فکر بھی ملتی ہے۔ وحدۃ الوجودی فکر کی بنیاد لاالٰہ الااللہ پر ہے۔ وجودی فکر میں وجود اور موجود ایک سے زیادہ نہیں۔ اس فکر کے مطابق حقیقت اعلیٰ واحد ہے جو اول بھی ہے، آخر بھی ہے، ظاہر بھی ہے اور باطن

بھی۔اس کی صفات میں تکثیر اور تنوع ہے جو حقیقی نہیں اضافی ہے۔ ''گیتا نجلی'' کی ایک نظم سے وحدۃالوجود کی مثال واضح ہے۔ مثلاً:

اے خداوندِ جہاں فاطر الافلاکِ عظیم آشیاں میں بھی ہے تُو عرصہَ افلاک میں بھی
تُو کہ ہے حسنِ سراپا تری الفت ہی فقط کار فرما ہے ازل سے خس و خاشاک میں بھی
رنگ سے، صوت سے، خوشبو سے یہاں ظاہر ہے تُو ہی اول مری دنیا کا تُو ہی آخر ہے [۵]

مندرجہ بالا بند میں خداوندِ جہاں کا آشیاں سے افلاک تک ہر جگہ ہونا، اس کا سراپا حسن ہونا اور اس کی الفت کا ازل سے خس و خاشاک میں ہونا، رنگ، آواز اور خوشبو سے اس کا ظاہر ہونا، نیز اس کا اول اور آخر ہونا وجودی فکر کی عمدہ مثالیں ہیں۔

ویدانتی فکر کے مطابق کائنات کا اپنا وجود نہیں ہے۔ اصل وجود '' برہم'' ہے جو غیر متغیر ہے۔ باقی سب نظر کا دھوکا ہے۔ ویدانتی فکر کے مطابق انسان کی آنکھوں پر جہالت کا پردہ ہے جس کی وجہ سے کائنات کا الگ وجود نظر آتا ہے اگر گیان (معرفت) حاصل ہو جائے تو یہ پردہ اُٹھ جاتا ہے اور اسے وجودِ حقیقی یعنی برہم نظر آنے لگتا ہے۔ ''گیتا نجلی'' میں اس کی مثال ملاحظہ کیجیے:

جال مایا کا سنہرا کہ رو پہلا اس جا مختلف رنگوں سے وہ اس کو مزین کر کے
ڈال دیتا ہے اسے اہلِ جہاں کے آگے اس میں پھر خود ہی نیا رنگ فنا کا بھر کے
اپنے آثار کو کرتا ہے ہویدا مجھ پر جس کے ہر لمس سے ہوتا ہے تحیر یکسر [۶]

مایا کا جال سنہرا اور روپہلا ہونا، اس کا مختلف رنگوں سے مزین ہونا، اہلِ جہاں کی آنکھوں پر اس کا ڈالا جانا، اس میں فنا کا رنگ بھرنا اور پھر وجودِ حقیقی کا اپنے آثار و احوال انسان کے دل پر ظاہر کرنا اور ہر لمس سے تحیر پیدا کرنا ویدانتی فکر کا شاعرانہ اظہار ہے۔

روحانیت کے تحت عاشق کو ہر طرف اپنے محبوب کا جلوہ نظر آتا ہے اور کبھی کبھی تو وہ یوں محسوس کرتا ہے جیسے محبوب (خدا) اس کے سامنے ہے، اسی احساس سے سرشار ہو کر وہ اس سے گفتگو کرتا ہے۔ خدا سے

ہمکلامی کی خصوصیت ٹیگور کے ہاں بہت نمایاں ہے۔ وہ براہِ راست اپنی نظموں میں خدا سے محو ہمکلام ہیں۔ بعض اوقات تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی مجسم محبوب ہے جس سے ٹیگور کی تواتر کے ساتھ ملاقات ہوتی ہے اور اس سے دوبدو بات چیت بھی ہوتی ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

> ''اپنی ماہئیت کے اعتبار سے تصوف اس اشتیاق کا نام ہے جو ایک صوفی کے دل و دماغ میں خدا سے ملنے کے لیے اس شدت کے ساتھ موجزن ہوتا ہے کہ اس کی پوری عقلی اور جذباتی زندگی پر غالب آ جاتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صوفی اسی (خدا) کو اپنا مقصودِ حیات بنا لیتا ہے، گفتگو کرتا ہے تو اسی کی، خیال کرتا ہے تو اسی کو یاد کرتا ہے تو اسی کو، کلمہ پڑھتا ہے تو اسی کا، شفق کی سرخی میں، دریا کی روانی میں، پھولوں کی مہک میں، بلبل میں، صحرا کی وسعت میں، باغ کی شادابی میں غرض دنیا کے تمام مظاہرِ فطرت اور مناظرِ قدرت کی آواز میں، تاروں کی چمک میں اسے خدا ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔''[۷]

گیتا نجلی کے گیت ٹیگور کے متصوفانہ اور روحانی خیالات کی مکمل عکاسی کرتے ہیں۔ روحانیت کے جذبے کے تحت ٹیگور کی ان گیتوں میں اخلاقی بلندی، التجا، خدا کو پانے کی جستجو اور اس سے ہم کلامی کا احساس نمایاں ہے۔ روحانیت کی آمیزش نے ان گیتوں میں ایک پر اسرار فضا تشکیل دی ہے، جو قاری کو کسی اور دنیا میں لے جاتی ہے۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں فطرت کا حسن اپنی تمام تر لطافتوں کے ساتھ موجود ہے اور جہاں خالق و مخلوق کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔ ''گیتا نجلی'' کے اکثر گیت ماورائی محبت کے لطیف جذبات لیے ہوئے ہیں۔ ان گیتوں میں محبوب سے محبت کی شدت نمایاں ہے، جس کے تحت دوری کے باوجود ہر پل اس کا قرب محسوس کیا جا سکتا ہے۔ گیتا نجلی کے گیت پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ ٹیگور نے خدا کی ذات کو پا لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات کے تمام فطری مظاہر میں انہیں خدا کا جلوہ نظر آتا ہے۔ وہ اپنے ارد گرد نظر آنے والی ہر شے میں اپنی روحانی آنکھ سے خدا کو دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ کوہسار، درخت، پھول پتے، ہوا، موسم، سورج، چاند، ستارے، دریا، سمندر، صبحیں، شامیں غرض کائنات کی ہر ایک شے خدا کی ذات کا مظہر بن جاتی ہے۔

کئی صبحوں میں، شاموں میں

ترا آنا سنا میں نے
ترے پیغامبر نے دل میں آکر
مجھ کو چپکے سے بلایا بھی
نجانے آج کیوں اتنا امنگوں سے بھرا ہے دل
کہ انجانی خوشی سے کانپ جاتی ہوں
کچھ ایسا ہے کہ آخر کام نمٹانے کا وقت آیا
فضا میں میں تری موجودگی کی دھیمی دھیمی
اور مدھر مہکار پاتی ہوں [۸]

ٹیگور کے ہاں خدا اپنی تمام تر صفات کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے۔ خدا کی لا محدود نعمتوں اور بے پناہ کرم کا احساس ٹیگور کو کبھی بھی مایوس نہیں ہونے دیتا۔ وہ ہر طرح کے حالات میں خدا سے آس لگائے رکھتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم انسانوں کی خواہشات مرتے دم تک ختم نہیں ہوتیں۔ ہم مانگنے سے نہیں تھکتے اور خدا دینے سے نہیں تھکتا۔ وہ ہمیں بے انتہا نواز تا ہے۔

کیسے بھر جاتے ہیں جانے
میرے ان دونوں ہاتھوں میں
رحمت کے بے انت خزانے
تُو دیتا ہے
دیتا جاتا ہے پر
جھولی پھر بھی نہیں بھر پائے [۹]

ٹیگور خدا کی ذات و صفات کے معترف ہیں۔ انہوں نے گیتا نجلی کی اکثر نظموں میں خدا کے رحیم و کریم ہونے کا اقرار کیا ہے کہ وہ اپنی مخلوق پر بڑا مہربان ہے اور انسان کی کوتاہیوں کے باوجود وہ در گزر سے کام لے کر ان کو اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے نواز تا رہتا ہے۔ حالانکہ انسان ساری زندگی دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے اور

دنیاوی رشتوں کو خوش کرنے اور منانے میں لگا رہتا ہے۔ وہ اپنی بندگی کا حق صحیح طرح ادا نہیں کر پاتا لیکن اس کے باوجود خدا کی رحمت کے دروازے اس پر بند نہیں ہوتے۔

وقت بہا جاتا ہے جھگڑالو رشتوں کی مانگ کے پیچھے
اور تری پوجا کی تھالی نذرانوں سے
بالکل خالی رہ جاتی ہے
عمر کی شام کے آخری حصے میں
ہم دل میں ڈرتے ڈرتے
تیرے دوار پہ آتے ہیں کہ اب شاید
بند پڑا ہو
لیکن دیکھتے ہیں کہ اب بھی وقت پڑا ہے
تیرا در تو کھلا ہوا ہے! [۱۰]

اپنی گہری روحانیت کے سبب وہ زندگی کا یہ بنیادی نکتہ سمجھ چکے تھے کہ خدا کی ذات کو پانے اور روحانی سکون حاصل کرنے کا واحد ذریعہ خدا کی مخلوق سے بلا تفریق محبت کرنا ہے۔ ان کی گہری روحانیت نے ان کے دل میں انسانیت کے لیے تڑپ اور دردمندی کے جذبات پیدا کر دیے تھے۔ وہ ایسی عبادات کے سخت خلاف تھے جن میں انسان دنیا سے کٹ کر ایک کونے میں بیٹھ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ٹیگور اپنی اکثر نظموں میں خدا کے قرب اور اس کی خوشنودی کے لیے مخلوق خدا اور انسانیت سے محبت کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔ ٹیگور کی روحانیت اور انسان دوستی کے حوالے سے ذاکر حسین ''نذرِ عقیدت'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''ٹیگور کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے روحانیت اور انسان دوستی کو ہم آمیز کیا۔ اس کا دل انسانی محبت سے لبریز تھا اور اس کی وسعتوں میں بلا تفریق مذہب و ملت ہر کسی کی سمائی ہو سکتی تھی اور اس کی تڑپ کسی مخصوص فرقے یا طبقے تک محدود نہیں تھی۔''[۱۱]

''گیتانجلی'' در حقیقت ٹیگور کے الہامی اور روحانی خیالات کا شاعرانہ اظہار ہے۔ اس کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے جیسے کوئی صوفی اپنے وجد کی انتہا پر پہنچ کر ایسے الفاظ منہ سے نکال رہا ہے جسے دل سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ یہ دل سے نکل کر دل میں اترنے والی آواز ہے۔ یہ کتاب روحانیت اور انسانیت کے امتزاج کا آفاقی نغمہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شمیم طارق، ٹیگور شناسی (نئی دہلی: ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم، جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۹۔

۲۔ پروفیسر وہاج الدین علوی، ''حرف آغاز''، مشمولہ: گیتانجلی از سہیل احمد فاروقی (دہلی: ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم، جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۲۰۱۳ء)، ص ۲۳۔

۳۔ اُپنیشد، آزاد دائرۃ المعارف، ویکی پیڈیا wwww·google·com

۴۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، ''شری مد بھگوت گیتا میں تصوف''، مشمولہ: تاریخ تصوف (لاہور: علماء اکیڈیمی، محکمہ اوقاف پنجاب، ۲۰۱۶ء)، ص ۷۲: ۷۸۔

۵۔ سید ظہیر عباس، گیتان جلی (مظفر نگر اترپردیش: رنگ محل پبلی کیشنز، ۱۹۵۸ء)، ص ۱۰۶۔

۶۔ سید ظہیر عباس، گیتان جلی، ص ۱۲۲۔

۷۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، مقدمہ، تاریخ تصوف، ص ۲۱۔

۸۔ شاہنواز زیدی، گیتانجلی (اردو منظوم ترجمہ) (لاہور: حافظ جمیل پریس، ۲۰۰۵ء)، ص ۸۹۔

۹۔ ایضاً، ص ۱۵۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۷۲۔

۱۱۔ ذاکر حسین، ''پیش لفظ'' مشمولہ: نذرِ عقیدت، مرتبہ: امن لکھنوی (دہلی: امپیریل پرنٹنگ پریس، س۔ن)، ص ۶۔